

رمضان المبارک

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روزہ

اسلام کا ایک اہم رکن اور فریضہ

صوم (روزہ) عربی میں رکنے اور باز رہنے کو کہتے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں روزہ طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور ازدواجی تعلق سے باز رہنے کا نام ہے اسلام میں یہ دوسرا اہم فریضہ اور رکن ہے جو ملت مسلمہ پر عائد کیا گیا۔ روزہ کی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دنیا کی سب سے زیادہ قدیم اور بین المذاہب عبادت ہے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لیکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی ملت کوئی شریعت اور کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں یہ فریضہ عائد نہ کیا گیا ہو۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام ہر قمری مہینے کے ایام بیض میں پابندی سے روزے رکھتے تھے۔ یعنی یہ وہ دن ہیں جن کی راتیں سب سے زیادہ روشن اور منور ہوتی ہیں۔ اور وہ قمری مہینہ کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخیں ہیں۔ ایام بیض کے روزوں کا یہ سلسلہ حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ تک اسی طرح جاری رہا۔ اور حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے گویا کہ آدم اول سے آدم ثانی تک ایام بیض کے روزہ کی عبادت قائم رہی، البتہ اس میں علماء نے کلام کیا ہے کہ آیا وہ روزے فرض تھے یا تطوع اور نفل کے طور پر رکھے جاتے۔

پھر بنی اسرائیل کے زمانہ میں جس کو ملت یہود کہنا صحیح ہے عاشورہ یعنی محرم کی دسویں تاریخ یوم سبت یعنی ہفتہ اور چند اور روزے فرض تھے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو ٹھیک نو مہینے کے بعد جب پہلی مرتبہ محرم کا عاشورہ آیا تو آپ کو یہ خبر ملی کہ یہود مدینہ نے آج روزہ رکھا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت فرمانے پر یہود نے یہ حقیقت ظاہر کی کہ عاشورہ فرعون کے قبضہ سے ہمارے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اور آپ کی قوم کے چھٹکارے کا دن ہے۔ اسی احسان کے شکریہ میں ہماری قوم عاشورہ کا روزہ رکھتی ہے۔ اسی طرح نصاریٰ پر اسی ماہ رمضان کے

روزے فرض تھے۔ جنہیں سردی اور گرمی کی شدت کی وجہ سے مہینہ تبدیل کر کے اور دس روزوں کا اضافہ کر کے وہ روزہ رکھا کرتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور آپ کا پیش کیا ہوا دین نہایت حکیمانہ طریقہ پر بتدریج اور رفتہ رفتہ قائم کیا گیا ہے۔ اور یہ تخلیق کائنات اور تخلیق انسانی کی تدریج کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے توحید کے بعد ملت مسلمہ کو کوئی فریضہ اور کوئی رکن نہیں دیا گیا۔ یہاں تک کہ نبوت کے گیارہویں سال میں جب واقعہ معراج پیش آیا تو پہلی بار امت کو نماز کا فریضہ دیا گیا۔ اس تدریج اور تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ دین اسلام محض فکر و نظر کی دقیقہ رسی یا ذہنی و دماغی نکتہ آفرینی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک عملی اور محض عملی دین ہے اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر عمل و کردار کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ:۔

"اگر ہمیں لکھنا نہ آئے یا حساب دانی میں مہارت نہ ہو تو یہ ہمارے وجود کو اتنا داغدار نہیں بناتا جتنا کہ بدخلقی' بدعملی یا بدکرداری ہمارے لئے موجب ننگ و عار ہو سکتی ہے"۔

آپ کا ارشاد گرامی ہے:۔

نَحْنُ اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسِبُ هٰكَذَا هٰكَذَا

(ہم ایک جماعت ہیں امی کہ نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب اور ایسے ہی اور ایسے ہی)

معلوم ہوا کہ دین اسلام سر تاپا عمل اور کردار کا پیکر ہے۔ لہٰذا احکام و اوامر کو عمل و کردار کی شکل میں لانے کے لئے کچھ قدرتی نفسیات اور فطری تقاضے بھی ہیں' اگر کسی قانون و حکم کیلئے اس کے موافق جذبات نہ پیدا کئے جائیں اور اس کیلئے ذہن اور فکر کو استوار نہ کیا جائے تو وہ قانون کتاب کی زینت تو بن سکتا ہے لیکن عمل و کردار کی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ اور دنیا میں وہ قانون اور حکم سب سے زیادہ ناکام ہے جس کے لئے نہ ذہن ہموار کیا گیا ہو اور نہ تربیت سے اس کے موافق جذبات پیدا کئے گئے ہوں۔ خداوند تعالیٰ جو احکم الحاکمین بھی ہے اور سب سے بڑا دانا اور حکیم بھی ہے' حلال اور حرام کے احکام دینے کے سلسلے میں اس نے اپنے کلام میں سب سے پہلے وہ مضامین نازل فرمائے جو عمل کے محرکات اور جذبات و کردار کو ابھارنے والے تھے اور وہ جزا و سزا' حشر و نشر' موت و مابعد الموت اور جنت و جہنم کے مضامین ہیں۔ جب ان مضامین سے فکر و ذہن کی فضا سازگار ہو گئی تو اب اوامر و نواہی

اور احکام کا سلسلہ جاری ہوا' اور جس کا نتیجہ یہ ہوا اور یہی ہونا چاہئے تھا کہ حکم خداوندی کے سنتے ہی کسی تنبیہہ و سرزنش کے بغیر حسن عمل اور حسن اطاعت کے وہ خوش نما منظر آنکھوں کے سامنے آئے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی جابر حکومت یا کوئی ملت اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ شراب جیسی چیز جو عرب کی گھٹی میں شامل تھی حرمت کا حکم آتے ہی مدینہ کی گلیوں میں صرف شراب ہی بہتی ہوئی نظر نہیں آئی بلکہ جام و مینا اور اس کے تمام متعلقہ برتن بی توڑ کر پھینک دیئے گئے۔ اسی لئے نبوت کے گیارہ سال کے بعد نماز کا حکم آیا جو توحید کے بعد اسلام کا پہلا رکن ہے اور ہجرت کے تقریباً ڈیڑھ سال گزر جانے کے بعد روزہ کی فرضیت کا حکم آیا' جو اسلام کا دوسرا اہم رکن ہے۔

روزہ کی ظاہری شکل فاقہ کشی اور بھوک و پیاس میں مبتلا ہونے کی سی ہے۔ اس وجہ سے روزہ اس دور اور اس زمانہ میں مسلمانوں پر فرض نہیں ہوا۔ جو مسلمانوں کی انتہائی فاقہ کشی اور غربت و ناداری کا دور تھا۔ بالخصوص نبوت کے ساتویں سال سے دسویں سال تک جب کہ بنو ہاشم کا مقاطعہ اور بائیکاٹ کر دیا گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و سلم بنو ہاشم کو لے کر شعب ابی طالب میں مقیم تھے۔ ان تین سالوں میں مسلمانوں پر غربت و ناداری اور فاقہ کی وہ قیامت ٹوٹی کہ شاید قیامت تک مسلمانوں پر فقر و فاقہ کا کبھی ایسا دور نہیں آئے گا۔ اگر اس زمانہ میں روزہ کا فریضہ عائد کر دیا جاتا تو ممکن تھا کہ مسلمانوں کا فقر و فاقہ عبادت کے پردہ میں چھپ جاتا۔ لیکن مستقبل میں آنے والی نسلیں یہ کہتیں کہ روزہ کوئی عبادت نہیں ہے بلکہ فقر و فاقہ کو چھپانے کے لئے ایک سیاسی حربہ اور وقتی تقاضا تھا۔ لہٰذا آج جب کہ مسلمان اس قسم کے فقر و فاقہ سے دوچار نہیں ہیں بلکہ ایک ایک فرد مسلم کے پاس اتنی دولت ہے کہ اگر آج کے ایک مسلمان کی دولت کا موازنہ اگر حضورؐ کے زمانہ کے تمام صحابہ کی مجموعی دولت سے کیا جائے تو ایک مسلمان کی دولت ان سب کی مجموعی دولت سے بڑھ جائے۔ پس خوش حالی اور تنعم کے دور میں روزہ رکھنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اسی لئے روزہ اس دور اور اس زمانہ میں مسلمانوں پر فرض ہوا جب کہ مسلمان فقر و فاقہ کی اس آزمائش سے نکل کر خوش حالی کے دور میں داخل ہو گئے۔

ہجرت کے بعد انصار نے اپنے تمام مہاجر بھائیوں کے لئے کاروبار اور معاش مہیا کر کے ان کو ان کے پاؤں پر کھڑا کر دیا تھا۔ دوسرے کفار مکہ کا وہ قافلہ تجارت جو شام سے چل کر

تک آ رہا تھا' بطور مالِ غنیمت کے مسلمانوں کے ہاتھ آیا' اور مسلمان پہلے سے زیادہ آسودہ اور خوشحال ہو گئے۔ اب دنیا کا کوئی انسان اس عبادت پر یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ روزہ کا حکم وقتی یا فاقہ کشی پر پردہ ڈالنے کی سیاسی تدبیر تھی۔ بلکہ فرضیت صوم کے خوش حال دور کے پیش نظر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس عبادت کا تعلق فاقہ کشوں سے زیادہ شکم سیر اور خوش حال لوگوں سے ہے۔ کیونکہ فاقہ کشی خود اپنی جگہ ایک قسم کی ریاضت اور نفس کشی ہے جو بے چارے غریب کو روزہ رمضان کے علاوہ بھی سال بھر کے بہت سے دنوں میں حاصل ہوتی رہتی ہے۔ البتہ عیش و عشرت کے متوالے اور دولت و ثروت کے نشہ میں مخمور طبقہ کو روحانی ریاضت اور نفس کشی کا زندگی کے کسی لمحہ میں بھی موقع نہیں ملتا۔ حالانکہ اسی طبقہ کو سب سے زیادہ روحانی اصلاح اور شفا کی ضرورت ہے۔ پس حق تعالیٰ نے روحانی جہاد اور ریاضت نفس کیلئے رمضان المبارک کے مہینہ میں روزہ کی عبادت فرض فرمائی۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دوسرے احکام اور عبادتوں کی طرح روزہ کی ایک ظاہری شکل ہے' اور ایک اس کی روح در حقیقت حق تعالے کے یہاں کوئی نیکی اور بندگی اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک کہ اس میں روح اور اس کی حقیقت موجود نہ ہو۔ کھانے پینے اور ازدواجی تعلق سے باز رہنا روزہ کی ظاہری شکل اور اس کی صورت ہے۔ لیکن روزہ کی روح اور اس کی حقیقت روحانی ریاضت اور جذبات معصیت پر کنٹرول اور قابو پانا ہے۔ جس کو شریعت کی اصطلاح میں مجاہدہ" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے روزہ رکھا اور اس نے روزہ میں نہ جھوٹ چھوڑا اور نہ بری اور بیہودہ باتوں سے پرہیز کیا' تو اللہ کو اس کے روزہ کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ یعنی اللہ کی نظروں میں وہ روزہ روزہ کہلانے کا مستحق نہیں جس میں کھانا پینا تو چھوڑ دے مگر معصیت و گناہ نہ چھوڑے' کیونکہ روزہ کا مقصد اور روزہ کی حقیقت نفس پر کنٹرول اور ترک معصیت ہے۔ جذبات معصیت اور نفسانی تقاضوں پر قابو حاصل کئے بغیر سیرۃ و کردار کی تعمیر تو کیا ہوتی کوئی شخص سوسائٹی کا مہذب فرد اور انسانی معاشرہ میں ایک متمدن شہری بھی نہیں بن سکتا۔ انسانی نفسیات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو قسم کے جذبات اور محرکات انسان میں بے پناہ قوت کے ساتھ ابھرتے ہیں اور عام طور پر یہی دو تقاضے اسے معصیت و گناہ کے غار میں دھکیل دیتے ہیں۔ ایک طلب اور خواہش کا جذبہ جو کسی مفید حسین اور جاذب چیز کو حاصل کرنے کے لئے دلوں میں ابھرتا ہے'

اور دوسرا غضب اور مدافعت کا جذبہ جو حصول مقصد اور کامیابی کی راہ میں کسی رکاوٹ اور رخنہ کو دیکھ کر راستہ سے دور کرنے کے لئے ابھرتا اور پیدا ہوتا ہے۔ اگر روحانی تربیت اور ریاضت نفس کے ذریعہ سے پہلے داعیہ اور جذبہ پر قابو نہ پایا جائے تو انسان حرص و طمع کے مظاہرہ میں جانوروں اور مویشیوں کو بھی شرما دے۔ اور اگر غیض و غضب کی مشتعل قوتوں کو نفس کشی سے کنٹرول نہ کیا جائے تو انسان وحشت و بربریت اور چنگیزی کا مجسمہ بن جائے۔ لہٰذا تعمیر انسانیت اور مہذب و متمدن بننے کے لئے ضروری ہے کہ روحانی تربیت اور ریاضت نفس اختیار کی جائے' جس کی بہترین اور کامل صورت روزہ کی عبادت ہے۔

تزکیہ نفس اور اخلاقی تربیت کے ماہرین حضرات صوفیہ نے لکھا ہے کہ تزکیہ نفس اور روحانیت کی مکمل اصلاح کے لئے چار قسم کی ریاضتوں کی ضرورت ہے کم کھانا' کم سونا' کم بولنا اور لوگوں سے کم ملنا۔ کیونکہ روحانی بیماریوں اور اس کے اسباب کا تجزیہ کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ زیادہ کھانے' زیادہ سونے' زیادہ بولنے اور زیادہ ملنے جلنے کی وجہ سے طرح طرح کی اخلاقی کمزوریاں اور بری عادتیں انسان میں پیدا ہوتی ہیں۔ زیادہ کھانے سے جسمانی بیماریوں کے علاوہ روحانی طور پر طبیعت میں سستی اور کاہلی پیدا ہوتی ہے۔ پھر یہ کیفیات بعض اخلاقی کمزوریوں کا یا کم سے کم عملی کوتاہیوں کا سبب بن جاتی ہیں۔ اس لئے اخلاقی اور روحانی اصلاح کے لئے مختصر خوراک اور کم کھانے کا علاج تجویز کیا گیا۔ علیٰ ہذا کثرت نوم اور زیادہ سونا بھی انسان کے ذہن اور فکر کو کند کر دیتا ہے۔ اور روحانیت پژمردہ ہو جاتی ہے۔ پس قلت نوم اور کم سونا بھی اخلاقی اصلاح اور روحانی تربیت کے لئے ضروری اور ناگزیر ہوا۔ اسی طرح کثرت کلام اور زیادہ بولنا انسان کو خفیف اور غیر ذمہ دار بنا دیتا ہے' اور عام طور پر زیادہ بولنے سے روحانیت پست اور مردہ ہو جاتی ہے۔

دل زپر گفتن بمیرد در بدن   گرچہ گفتارش بود در عدن

(زیادہ بولنے سے دل بدن کے اندر مرجاتا ہے۔ اگرچہ اس کی گفتگو عدن کے موتی ہی کیوں نہ بکھیر رہی ہو)

اس کمزوری کی اصلاح کے لئے تلاوت قرآن اور ورد تجویز کیا گیا تاکہ اس طرح انسان ہر وقت کی بک بک اور زیادہ بولنے سے محفوظ رہ سکے۔ علیٰ ہذا غیر ضروری تعلقات اور میل جول کی کثرت بھی روحانی اور اخلاقی اعتبار سے اچھے نتائج پیدا نہیں کرتی۔ علماء اخلاق نے

اس موضوع پر کافی بحث کی ہے کہ غیر ضروری مراسم و تعلقات کیا کیا خرابیاں پیدا کرتے ہیں۔ اور اگر ہم انسانی زندگیوں میں گوناگوں انقلابات کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ تبدیلی اور انقلاب کا واحد سبب مراسم و تعلقات اور انسانوں کا باہمی میل جول ہے۔ نیکوں کی صحبت انسان کو نیک بناتی ہے' اور بروں کے ساتھ میل جول انسان کو برا بنا دیتا ہے۔ اسی لئے علماء اخلاق نے میل جول رکھنے کا یہ زریں اصول دیا ہے۔

اَلْوَحْدَۃُ خَیْرٌ مِّنْ جَلِیْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِیْسُ الصَّالِحُ خَیْرٌ مِّنَ الْوَحْدَۃِ

(یعنی برے آدمی کے ساتھ ہم نشینی اور رفاقت سے تنہائی اور خلوت بہتر ہے اور بھلے اور نیک آدمی کے ساتھ ہم نشینی خلوت و تنہائی سے بہتر ہے)

پس معلوم ہوا کہ غیر ضروری مراسم و تعلقات اور میل جول کی کثرت اخلاقی اور روحانی اعتبار سے ناپسندیدہ اور مضر ہے۔ پس میل جول کی کمی بھی روحانی و اخلاقی ریاضتوں میں ایک ریاضت اور علاج تجویز کیا گیا ہے۔ اور وہ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے۔ جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت اور پابندی اختیار کی۔

روزہ کا یہ وہ اہم پہلو بھی ہے جو تزکیہ نفس اور روحانی تربیت سے متعلق ہے۔ روزہ کے بعض اور بھی قابل توجہ پہلو ہیں۔ وہ یہ کہ ہر عبادت کی ایک ایسی امتیازی شان اور خصوصیت ہوتی ہے جو دوسری عبادتوں میں نہیں پائی جاتی۔ مثال کے طور پر سر جیسی عظمت والی چیز زمین میں ڈال کر اظہار عبدیت کی جو شان نماز میں ہے وہ کسی دوسری عبادت میں موجود نہیں۔ مال و دولت کی محبت کو دل سے دور کرنیکی جو خاصیت زکوۃ میں ہے وہ اور کسی عبادت میں نہیں۔ اسی طرح روزہ بندہ اور خدا کے درمیان ایک مخفی راز ہے۔ جس کی کسی تیسرے کو خبر نہیں اور یہ خصوصیت روزے کے سوا کسی اور عبادت میں نہیں پائی جاتی۔ اسی لئے یہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ مقبول عبادت ہے۔

اعتکاف!

رمضان کا آخری عشرہ اور اس کی عبادتیں

آخری عشرہ کی فضیلت و برتری باقی عشروں کے مقابلہ میں اس قدر زیادہ ہے کہ یہ عشرہ دوگنا اور دو چند قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کی راتیں بھی عبادتوں سے ایسی ہی پر ہیں جیسے کہ

اس کے دن عبادتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ آخری عشرہ کی عبادتوں میں سے ایک نہایت اہم اور روحانی اصلاح کے لئے اکسیر عبادت اعتکاف ہے۔ عربی میں اس لفظ کے معنی ہیں گوشہ گیری اور خلوت و تنہائی اختیار کرنا۔ جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ

(یعنی تمہارے لئے ازدواجی تعلق روا نہیں ہے اس حالت میں کہ تم مسجد میں خلوت گزیں اور معتکف ہو)۔

شریعت کی اصطلاح میں اعتکاف سے مراد یہ ہے بہ نیت عبادت مسجد میں خلوت گزیں ہونا۔ کم سے کم ایک دن رات اور زیادہ سے زیادہ دس دن اور ان کی راتیں' اعتکاف میں دن کا شمار غروب آفتاب سے لگا کر اگلے دن غرب آفتاب تک ہے۔ کیونکہ اسلام میں قمری نظام کے پیش نظر دن اور تاریخ کی ابتداء غروب آفتاب سے ہوتی ہے' اور اگلے دن غروب آفتاب پر ختم ہو جاتی ہے۔

اعتکاف کے بارے میں علماء نے تصریح کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر آخری زندگی تک ہمیشگی اور مداومت اختیار کی اور کسی ایک سال بھی آپ نے ناغہ نہیں فرمایا۔ بلکہ بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول عشرہ کا بھی اعتکاف فرمایا۔ پھر دوسرے اور تیسرے عشرے کا بھی۔ گویا کہ رمضان کے پورے مہینہ کا اعتکاف بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لیکن جس پر پابندی اور دوام اختیار فرمایا وہ آخری عشرہ کا اعتکاف ہے۔ اسی لئے فقہا نے کہا ہے کہ اعتکاف موکدہ علی الکفایہ ہے۔ موکدہ سے مراد یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اعتکاف کی اہمیت اور اس کے ضروری ہونے کو ثابت فرما دیا۔ اور علی الکفایہ سے مراد یہ ہے کہ اگر محلے کے کسی ایک مسلمان نے بھی اعتکاف نہ کیا تو محلے کے تمام مسلمان ترک اعتکاف اور ترک سنت کے گنہگار ہوں گے۔ البتہ کسی ایک شخص نے بھی سنت اعتکاف پر عمل کر لیا تو محلہ کے تمام مسلمان ترک سنت کے وبال سے بچ جائیں گے۔ لیکن کسی مسلمان کو وبال سے بچنے پر اکتفا اور قناعت نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ سعادتوں اور برکتوں کے حصول میں سب کو پیش قدمی اور مسابقت اختیار کرنی چاہئے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے اعتکاف کی بہت سی فضیلتیں اور اس کا اجر و ثواب بیان فرمایا ہے۔ مردوں کو اعتکاف ایسی مسجد میں کرنا چاہئے جہاں پنج وقتہ نمازیں جماعت سے ادا کی جاتی ہوں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ مسجد جامع میں اعتکاف کیا جائے۔ تاکہ جمعہ کی نماز کے لئے اعتکاف کی جگہ نہ چھوڑنی پڑے۔ عورتوں کیلئے بھی اعتکاف اتنی ہی اہم عبادت ہے جیسی مردوں کے لئے۔ البتہ عورتوں کو اپنے گھروں میں اعتکاف کے لئے خلوت کی کوئی جگہ بنا لینی چاہئے۔ اور اسی جگہ اعتکاف کا پورا وقت گزارنا چاہئے۔

● اعتکاف کے لئے روزہ بھی ضروری ہے اور مسجد بھی۔ مسجد کی پابندی سے صرف عورتوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اور اعتکاف اپنی پوری پابندیوں کے ساتھ ایک دن کا ہو یا اس سے زیادہ کا ہر حال میں یہ اعتکاف کی ظاہری صورت اور قالب ہے۔ اس اہم عبادت کا ثواب یا اس کی تاثیر اسی وقت ظہور پذیر ہو سکتی ہے جب اعتکاف اپنی حقیقت اور روح کے ساتھ کیا جائے۔ اور اعتکاف کی حقیقت یا اس کی روح دینی اعتبار سے ناجنس اور ناموافق ماحول سے علیحدگی اور یک سوئی حاصل کر کے خلوت و تنہائی کو اختیار کرنا' قلب و ذہن کی توجہ کو اللہ کے ساتھ وابستہ کر دینا' معرفت خداوندی کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا اور ان کو ترقی دینا ہے۔ کیونکہ خلوت اور گوشہ نشینی تو فلاسفہ اور حکماء کی اصطلاح اور ان کا معمول رہا ہے' مگر اسلام کی نظر میں اشراقی حکماء کی یہ خلوت اور تنہائی روحانی اصلاح اور تربیت باطن کے لئے نہ صرف یہ کہ ناکافی ہے' بلکہ بعض اوقات اس سے مضر اور مہلک نتائج اور اثرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اشراقی حکماء اور جوگیوں میں خلوت سے اور انسانوں سے دور کسی غار اور کھوہ میں

● طرح الگ تھلگ بیٹھنا ہے کہ کوئی پرندہ بھی پر نہ مار سکے۔ ممکن ہے کہ اس طرز اور طریقہ سے فکر کی ریاضت پوری ہو جائے اور اس ریاضی فکر سے طرح طرح کے عجائبات اور شعبدہ بازیاں ظاہر ہونے لگیں مگر روحانیت اور فکر کی وہ تعمیری تربیت اس خلوت سے نہیں حاصل ہو سکتی جو اسلام کا مقصد ہے اور جس کی تکمیل کی خاطر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اسلام کے پیش نظر فکر کی ریاضت سے نگاہوں کو فریب دینے والے حالات اور شعبدوں کا اظہار نہیں بلکہ فکر انسانی کی سب سے بڑی ریاضت یہ ہے کہ اس میں اللہ اور اللہ کا رسول رچ جائے۔ اور ماسوا اللہ سے فکر انسانی پاک ہو جائے۔ اسی لئے اسلام نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے ذریعہ سے کائنات عالم میں غور و فکر کی دعوت دی ہے۔

ین کائنات عالم میں غور و فکر کے بے شمار طریقے اور بہت سے انداز ہو سکتے ہیں' مثال کے طور پر اگر کسی سنسان راستے میں اونٹ کی مینگنی پڑی ہوئی نظر آئے تو اس پر غور و فکر کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آدمی اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس راستہ سے ضرور کوئی اونٹ گذرا ہو گا۔

ابھی اس راہ سے گذرا ہے کوئی ۔۔۔ کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

اور فکر کا یہ انداز بھی غلط ہے نہ قابل اعتراض۔

غور و فکر کا دوسرا انداز یہ ہے کہ اس کو کسی معمل اور تجربہ گاہ (لیبارٹری) میں لے جا کر اس کے اجزاء اس کی تاثیر اور اس کے نقصانات اور فائدوں پر غور کیا جائے کہ آیا کھاد کے اعتبار سے یہ مفید ہے یا مضر اور نباتات کے نشو نما میں یہ کہاں تک اثر انداز ہو سکتی ہے' غور و فکر کا یہ انداز بھی نہ معیوب ہے نہ قابل الزام بلکہ انسانی ضروریات میں معاون اور مفید ہے۔

علیٰ ہذا راستے میں پڑی ہوئی اونٹ کی مینگنی پر سوچ بچار کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان اس پر غور کرے کہ اونٹ ببول کے درخت اور پتے کھاتا ہے اور اس کا فضلہ پیٹ میں کروی اور گول شکل کیسے اختیار کر لیتا ہے۔ اس سے تشریح الابدان کا ماہر ڈاکٹر آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اندرون شکم بناوٹ اور ساخت کیسی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس طرز فکر سے بھی نہ کوئی نقصان ہے اور نہ اس میں کوئی برائی۔ مگر فکر و ذہن کے مذکورہ بالا تمام اندازوں کو جائز اور صحیح ماننے کے باوجود یہ بڑی حیرت کی بات ہے' بلکہ نعمت فکر کی انتہائی قدر ناشناسی اور ناشکری ہے کہ اس پر اس واضح انداز اور طریقہ سے غور نہ کیا جائے" کہ جس نے ایسا جانور بنایا اور جس نے پیٹ کے اندر فضلہ کے اجزاء کو ایسی ساخت اور بناوٹ دی اور جس نے اس کے فضلہ میں نباتات کے نشو و نما کے لئے اعلیٰ درجہ کی کھاد کی خاصیت عطا فرمائی' وہ خود کتنا بڑا احسن الخالقین اور دانا اور حکیم ہو گا۔ اہل فکر کی کتنی بڑی ناانصافی ہے کہ اللہ کی ہر مخلوق پر ہر حیثیت سے غور کرنے کو تیار لیکن مخلوقات سے خالق کو پہچاننے اور خالق کو سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ حالانکہ اس کائنات میں اللہ نے آسمان و زمین میں جتنی چیزیں پیدا کی ہیں ان کی خواہ کتنی ہی خاصیتیں اور تاثیریں ہوں لیکن تخلیق کائنات کا سب سے بڑا مقصد معرفت اور خدا شناسی کی نشاندھی کرنا اور رہنمائی کرنا ہے۔ اسی لئے ایک مومن اور عارف ہر چیز کو اللہ کے وجود کی نشانی سمجھتا ہے۔ اور اس کی نظر میں وہ معرفت اور خدا شناسی کا زینہ

ہے۔ ایک گلقند بنانے والا عطار یا عطر فروش ممکن ہے کسی باغ اور چمن میں پھولوں کو دیکھ کر اپنی غرض اور اپنے مقصد کے بارے میں کسی نتیجہ پر پہنچے۔ لیکن ایک عارف اور ولی جس کو نہ دوا سازی سے کوئی واسطہ ہے اور نہ عطر سے پھولوں کو دیکھ کر اسے اپنے محبوب کی خوبو نظر آنے لگتی ہے۔

گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا   تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

یہی عارف اور اللہ کا ولی جب کسی کھیت سے گذرتا ہے تو زمیندار اور مزارع کی نگاہ سے نہیں بلکہ معرفت کی نگاہ سے دیکھ کے بے ساختہ اس کے منہ سے نکل جاتا ہے۔

ہر گیاہے کہ از زمیں روید   وحدہ لاشریک لہ گوید

یہی وہ انداز فکر ہے جس کی تربیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عطا فرمائی۔ اور یہ تربیت حیات طیبہ اور اچھے کردار کی بنیاد ہے۔

پس اعتکاف حکماء اور فلاسفہ کی تجویز کی ہوئی رہبانیت یا جوگیوں کی خلوت و تنہائی کا نام نہیں ہے اسی لئے اعتکاف کا مقام اور اعتکاف کی جگہ پہاڑوں کی کھوہ اور ان کے غار نہیں تجویز کئے گئے' جہاں کسی انسان کا بھی گذر نہ ہو سکے۔ بلکہ محلّہ کی وہ مسجد یا جامع مسجد تجویز کی گئی جس میں پانچوں وقت جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے اہل محلّہ یا اہل شہر آتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ' مسجد کی حالت یہ ہوتی ہے کچھ لوگ مغرب کے بعد صلوۃ اوابین میں مصروف ہیں' کچھ رات کو نماز تہجد میں مصروف ہوں گے' کچھ اشراق و چاشت کے انتظار میں مسجد میں بیٹھے ہوں گے اور کچھ لوگ تلاوت قرآن اور دوسرے اذکار الہیہ میں مشغول ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ مقصد اعتکاف محض خلوت نہیں ہے بلکہ اللہ سے غافل کرنے والے ماحول کو چھوڑ کر اللہ والوں کے ماحول میں رہنا اور توجہ الی اللہ کو قائم کرنا ہے۔

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار
بگذارند و خم طرہ یارے گیرند

حکماء اشراقیین اور جوگیوں کی تجویز کی ہوئی خلوت' نہ صرف یہ کہ روحانی تربیت کے اعتبار سے پوری اور مکمل نہیں ہے' بلکہ اس میں بہت سی خرابیاں اور نقصانات بھی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہ اس طرح کی خلوت سے ایک انسان تحصیل علوم اور کسب کمالات سے محروم رہتا ہے۔ کیونکہ علوم و فنون اور فیوض روحانی اہل علم اور اولیاء اللہ کے ساتھ صحبت

وہم نشینی اور اختلاط ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ علاوہ اس کے باطن اور روحانیت کے اعتبار سے اس قسم کی خلوت و تنہائی میں انسان کی نظر صرف اپنے کمال اور اپنی ریاضت پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح عبادت کی راہ سے انسان میں کبر و نخوت اور غرور آ جاتا ہے اور نخوت و پندار اللہ کی نظر میں اتنا بڑا مبغوض اور سنگین جرم ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے جنت میں داخلہ ممکن نہیں۔

حدیث میں آیا ہے۔

لَنْ یَدْخُلَ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ کِبْرٍ

جنت میں وہ شخص ہرگز داخل نہ ہو گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو گا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ عظمت و کبریائی حق تعالیٰ کی ممتاز صفت اور مخصوص شان ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے اپنی اس خصوصیت کا اظہار قرآن کریم میں خود ہی فرمایا۔

وَلَہُ الْکِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

اور اسی کے لئے ہے کبریائی زمین اور آسمانوں میں اور وہی غلبہ والا حکمت والا ہے۔

پس جو شخص نخوت و غرور میں مبتلا ہے وہ عظمت و کبریائی میں شریک ہو کر اللہ سے مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ ابلیس اور شیطان کے گرنے اور مردود ہونے کی اصل وجہ بھی قرآن کریم نے اسی انانیت اور کبر و نخوت کو قرار دیا ہے۔

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ

یعنی شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اس نے تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے شاید اسی آیت کا اس طرح ترجمہ کیا ہے۔

تکبر عزازیل را خوار کرد　　بزندان لعنت گرفتار کرد

پھر نخوت و پندار میں بھی وہ نخوت سب سے زیادہ بری اور معیوب ہے، جو حسن و جمال کی یا ثروت و کمال کی راہ سے نہیں، بلکہ عبادت و بندگی کی راہ سے انسان کے دل و دماغ میں داخل ہو جائے۔ کیونکہ بندگی کا اصل مقصد اور اس کا مطلب ہی اپنی انتہائی عاجزی و انکساری کا اظہار کرنا اپنے کو ہیچ و رہیچ سمجھنا اور اپنے اندر عبدیت کی شان پیدا کرنا ہے۔ لیکن اگر عبادت و بندگی سے اپنی بزرگی اور برتری اور بڑائی کا خیال پیدا ہو جائے تو مقصد بندگی فوت ہو

گیا۔

ادھر علماء اخلاق نے یہ لکھا ہے کہ کبر و خود پسندی تمام رذائل کی جڑ ہے۔ جس سے ہر قسم کی روحانی برائی اور اخلاقی خرابی پیدا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا خلوت و تنہائی کی وہ شکل جس میں انسان صرف اپنے کمال اور اپنی بزرگی کو دیکھے یقینی طور پر کبر و غرور اور نخوت پیدا کردے گی ۔ لیکن اگر اللہ کے نیک بندوں سے میل ملاقات اور اختلاط رکھے گا تو اپنے کمال کو دیکھنے کی بجائے دوسرے کے کمال کا مشاہدہ کرے گا۔ اور اپنے کمال سے نظر ہٹ جائے گی۔ پس اسلام نے روحانیت اور باطن کو نقصان پہنچانے والی خلوت و تنہائی سے بچایا ہے۔ اس کے علاوہ بسا اوقات خلوت و تنہائی میں وساوس اور برے خیالات انسان پر مسلط ہو جاتے ہیں اور جوں جوں تنہائی کا وقفہ بڑھتا جاتا ہے معصیت و نافرمانی کے خیالات بھی زور پکڑتے جاتے ہیں اور اس طرح کی خلوت روحانی اعتبار سے تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔

خیالات نادان خلوت نشیں　　　بہم برزند عاقبت کفر و دیں

پس اسلام نے جس قسم کی خلوت و تنہائی تجویز کی ہے وہ حکماء اشراقین کی خلوت اور جوگیوں کی تنہائی سے بہت اعلیٰ اور بلند ہے۔ جس کے لئے جنگل و بیابان اور پہاڑوں کے بجائے بستی اور شہر کی مسجد کو تجویز کیا گیا ہے' جس میں روزہ کی عبادت کو شرط قرار دیا گیا ہے ۔ اور جس میں نہ میل ملاقات کو ممنوع قرار دیا گیا اور نہ بولنے بات کرنے سے روکا گیا۔ بلکہ صرف ایسے ماحول ایسی فضا اور ایسی مصروفیتوں سے الگ تھلگ رکھا گیا ہے۔ جو عام طور پر توجہ الی اللہ میں رکاوٹ بنی رہی ہیں۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معتکف کے متعلق ایک حدیث میں ارشاد فرمایا۔

يَعْتَكِفُ الذُّنُوبَ

معتکف وہ ہے جو گناہوں سے علیحدگی اور گوشہ گیری اختیار کرے

صالحین اور اولیاء اللہ کے ساتھ جلوت و صحبت اس خلوت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ جس میں فیوض و کمالات سے بھی محروم رہے اور شیطان کے پھندے میں پھنسنے کا خطرہ بھی لاحق رہے۔ کسی عارف نے سچ کہا ہے۔

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل　　　بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی!
ورت مال و جاہست و زرع و تجارت　　　چو دل با خدا یست خلوت نشینی!

اس سے قبل پیش کی جانے والی تشریح اور وضاحت سے یہ بات صاف ہو گئی کہ اشراقیین اور جوگیوں کی خلوت و تنہائی یا رہبانیت الگ چیز ہے' اور اعتکاف کی گوشہ گیری اور عزلت نشینی بالکل مختلف اور دوسری چیز ہے۔ اسی لئے اسلام میں لفظ بھی خلوت یا رہبانیت کا اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کے لئے لفظ اعتکاف اختیار کیا گیا ہے۔ اور اس سے یہ حقیقت بھی سامنے آ گئی کہ اسلام کے پیش نظر حکماء اشراقیین کی طرح فکر میں کوئی غیر معمولی یافت پیدا کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس کے نزدیک فکر کی ریاضت یا فکر کی تربیت اور فکر کی وہ عبادت ملحوظ ہے' جس سے توجہ الی اللہ اور دھیان اللہ کی طرف ہمیشہ کے لئے قائم ہو جائے اس لئے اعتکاف کی غرض و غایت اور اس کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے محققین علماء نے لکھا ہے کہ مقصد اعتکاف تحنث اور فکر کی عبادت ہے۔ اس لئے کہ فکر کی عبادت پر انسانی زندگی کے انقلاب اور تعمیر اخلاق کا دارومدار ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی سے کچھ روز پہلے غار "حرا" میں تشریف لے جاتے تھے اور بیشتر وقت وہیں تنہائی میں گذار کر واپس آتے تھے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اس وقت تک نہ قرآن کریم کی کوئی سورۃ نازل ہوئی تھی کہ جس کی تلاوت آپ غار حراء میں کرتے ہوں نہ ابھی نماز کا حکم آیا تھا' کہ آپ تنہائی میں سربسجود ہوں۔ پھر وہ کونسی عبادت تھی جس کے لئے آپ غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے لئے کھانے پینے کا سامان بھی ساتھ کر دیا کرتی تھیں۔ غار حراء کی عبادت خالص فکر اور تحنث کی عبادت تھی جس کا مقصد تھا اللہ کا دھیان قائم کرنا۔ اور اللہ کو دل میں بسانا جس کو صوفیہ کی اصطلاح میں "مراقبہ" بھی کہا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ اعلیٰ روحانیت جو تربیت اور تزکیہ کی ضرورت سے بے نیاز اور اصلاح و درستگی کے الفاظ سے بلند و بالا تھی تنہائی و فکر کی عبادت سے آزاد اور بے نیاز نہ ہو سکی۔ چنانچہ غار "حراء" کی اس فکری عبادت کے علاوہ حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا۔

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ

اور جب آپ تبلیغی کاموں سے فارغ ہو جائیں تو عبادت میں لگ جائیں اور اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں

اس آیت میں دو قسم کے احوال بیان کئے گئے ہیں۔ ایک کا تقاضا جلوت ہے اور دوسرے کا

تقاضا خلوت ہے۔ تعلیم دین اور تبلیغ احکام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا وہ فریضہ اور پیغمبرانہ کام ہے جس کی تکمیل کے لئے آپ دنیا میں تشریف لائے' اور ظاہر ہے کہ یہ مجلس اور جلوت کے بغیر انجام نہیں دیا جا سکتا۔ دوسرا حال دھیان اور توجہ الی اللہ قائم کرنے سے متعلق ہے' جس کے لئے خلوت و تنہائی اور یکسوئی ناگزیر اور ضروری ہے۔ حالانکہ مجلس اور جلوت میں فرائض کی انجام دہی بھی خالصتاً اللہ کی عبادت اور توجہ الی اللہ ہے۔ مگر ایک توجہ تعمیل فرائض کی وساطت سے ہے اور دوسری توجہ براہ راست اور بغیر کسی واسطہ کے ہے۔ حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں نبیؐ کے فرائض کی انجام دہی اور جلوت والی توجہ کو مقام نبوت کہا جاتا ہے اور بلاواسطہ اور براہ راست توجہ الی اللہ کو نبیؐ کے مقام ولایت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ہر وقت دینی اور نیک کاموں میں مصروف ہونے کے باوجود پھر بھی تنہائی اور یک سوئی میں اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ جس کا آیت میں مطالبہ کیا گیا ہے۔

عامر بن عبد قیس نے فرمایا کہ میں نے بہت سے صحابہ کرام کو یہ کہتے سنا ہے کہ ایمان کی روشنی فکر کی عبادت میں ہے۔ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک ساعت فکر کی عبادت' پوری رات کھڑے ہو کر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

اس تحقیق کی بنا پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف اور عبادت کی ضرورت سب سے زیادہ ان لوگوں کو ہے جو اپنے کاروبار اور مشاغل میں اتنے منہمک ہیں کہ ان کو زندگی کے برے بھلے پہلو پر نہ سوچنے کا موقع ملتا ہے' اور نہ اپنی زندگی کا جائزہ لینے کا۔ اور اس طرح ریا میں منہمک ہیں کہ سوتے وقت عالم خواب میں بھی ان کو دنیا کے وہی کاروبار دکھائی دیتے ہیں

ع چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

دنیا کے انہی متوالوں کے بارے میں اکبر الہ آبادی مرحوم نے ٹھیک کہا۔

موت کو بھول گیا دیکھ کے جینے کی بہار — دل نے پیش نظر انجام کو رہنے نہ دیا

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرات صوفیہ اور عارفین کے نزدیک اعتکاف کی غرض و غایت اور تحت فکر کی عبادت ہے' جو زندگی میں انقلاب اور صلاح پیدا کرنے کی بنیاد ہے۔ بعض دوسرے محققین علماء نے لکھا ہے کہ اعتکاف کا مقصد انتظار صلوٰۃ اور نماز کے لئے چشم

براہ رہتا ہے' کیونکہ مسجد نماز اور جماعت کی جگہ ہے۔ فقہانے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز و جماعت کے انتظار میں کچھ دیر مسجد میں گزارے تو انتظار کی ساعتوں کا مجموعی وقت کل کا کل نماز میں شمار ہو گا۔ اور اس وقت کا ثواب بھی ایسا ہی ملے گا جیسا کہ نماز میں مشغول ہونے سے ملتا ہے۔ پس ایک معتکف جب مسجد میں ایک عشرہ کے لئے قیام کرلیتا ہے تو گویا وہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لئے منتظر اور چشم براہ ہے اور جب وہ اعتکاف سے فارغ ہوتا ہے تو اجر و ثواب کے اعتبار سے ایسا سمجھنا چاہئے کہ جیسے کسی شخص نے اکیسویں شب کو غروب آفتاب سے پہلے نماز کی نیت باندھی اور عشرہ کے آخری دن غروب آفتاب کے وقت سلام پھیرا۔ پس پورے عشرہ کے اعتکاف کا ثواب اتنی مقدار میں ملے گا جتنی مقدار میں مسلسل اتنی طویل اور لمبی نماز پڑھنے کا ملتا۔

بعض دوسرے محققین علماء نے اعتکاف کی حقیقت پر دوسرے انداز سے روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اعتکاف در حقیقت یہ ہے کہ ایک بندہ اپنے آقا کے آستانہ پر اپنا بوریا بستر لے کر آپڑا ہے کہ آخر کبھی نہ کبھی تو میری صدا سنی جائے گی اور کبھی نہ کبھی نظر کرم سے ضرور نوازا جاؤں گا۔

بقول امیر خسرو۔

خسرو غریب است و گدا افتادہ در کوئے شما
باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

پس معتکف آستانۂ خداوندی کا گدائے مبرم ہے جس نے عہد کیا ہے کہ بغیر لئے اس آستانہ کو چھوڑے گا نہیں۔ اور اس آستانہ سے جو کچھ روحانی خزانے اور دولت ملے گی وہ دنیا و مافیہا کی دولت سے بہتر ہو گی۔

بعض دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ مقصد اعتکاف لیلۃ القدر کی تلاش اور جستجو ہے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاش لیلۃ القدر کے لئے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا' پھر دوسرے عشرہ میں اعتکاف کیا اور پھر تیسرے عشرہ میں اعتکاف فرمایا۔ چونکہ لیلۃ القدر صرف اس مہینہ کی راتوں ہی میں مقدس اور بابرکت نہیں ہے' بلکہ خیر و برکت میں سال بھر کی کوئی رات بھی اس کی ہمسری اور برابری نہیں کر سکتی' اس کا پانا بہت بڑے شرف اور بہت بڑی فضیلت کو پالیتا ہے اور وہ رمضان کے آخری

عشرہ کی طاق راتوں میں سے کوئی سی ایک رات ہے۔ بعضوں نے جفت رات میں ہونا بھی نقل کیا ہے' لیکن مشہور اور صحیح قول یہی ہے کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے۔ اس کی تلاش اور اس کی جستجو کے لئے مسجد کا ایسا ماحول اختیار کیا جاتا ہے' جس میں غفلت کا امکان کم ہے' اور شب بیداری اور سحر خیزی کا امکان زیادہ۔ بہر صورت مذکورہ بالا مقاصد اور حکمتوں میں سے کوئی ایک مقصد بھی ہو اور یا ممکن ہے کہ تمام مقاصد اس میں شامل ہوں' اعتکاف اپنی جگہ نہایت اہم ہے اور زندگی کی کایا پلٹنے کے لئے نہایت اکسیر عبادت ہے۔ اس عبادت کے فوائد گفتنی نہیں ہیں کہ الفاظ سے سمجھائے جا سکیں بلکہ چشیدنی ہیں کہ تھوڑی دیر خلوت و تنہائی میں اللہ کی طرف متوجہ ہو کر ایمان کی جلا اور ایمان کے نور کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ع ذوق ایں بادہ نہ دانی بخدا تانہ چشی

مذکورہ بالا وضاحت سے اگرچہ یہ بات بالکل صاف ہو گئی کہ اعتکاف ترک دنیا' رہبانیت یا حکمائے اشراقیین کی ریاضت فکر نہیں ہے' بلکہ خلوت در انجمن قسم کی ملی جلی عبادت کا نام ہے۔ پھر بھی مادی دور کی بے بنیاد مصروفیتوں میں کم فرصتی یا عدیم الفرصتی کا عذر ضرور پیش کیا جا سکتا ہے۔ معترض کے لئے صرف اتنی گذارش ہے کہ اگر موسم بہار میں تبدیل آب و ہوا کے لئے کسی پہاڑ پر جانے کو وقت نکالنا بھی مصروفیتوں میں سے اہم مصروفیت قرار دیا جا سکتا ہے تو روحانی اعتبار سے تبدیل ماحول کرنے کے لئے تھوڑا سا وقت کیوں نہیں نکالا جا سکتا یاد رکھئے جسم اپنی تمام تندرستیوں کے باوجود ایک نہ ایک دن خاک ہو کر فنا ہو جائے گا۔ اور روحانیت یا روحانیت سے پیدا ہونے والا کردار ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

بیشک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے' شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے' اس شب میں فرشتے اور روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر اترتے ہیں' سراپا سلام ہے وہ شب اسی صفت و برکت کے ساتھ طلوع فجر تک۔

لیلۃ القدر

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی عبادتوں میں سے اعتکاف کے بعد دوسری اہم عبادت شب بیداری اور قیام لیلۃ القدر ہے۔ یوں تو زمانے کے اوقات اور اس کی ساعتوں میں سے شب کا حصہ بندگی اور تقرب کے لئے خاص قسم کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر پھر بھی سال بھر میں بعض راتیں نہایت مقدس اور محترم ہیں۔ جن میں سے ایک رات ماہ رجب کی ۲۷ ستائیسویں رات ہے۔ جس کو شب معراج کہا جاتا ہے۔ اور دوسری ماہ شعبان کی پندھرویں رات ہے جس کو بعض مفسرین کے قول کی بناپر سورہ دخان میں برکت والی رات کہا گیا ہے۔ اور تیسری رات ماہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں کوئی سی ایک رات ہے۔ جس کو شریعت نے متعین اور مقرر کر کے نہیں بتلایا۔ اس مقدس رات کے نام پر قرآن کریم میں ایک مستقل سورت نازل کی گئی' جس کا نام ہی سورۃ القدر ہے۔ سورۃ قدر میں اس رات کی پہلی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں اللہ کی طرف سے کلام الہٰی اور قرآن کریم نازل کیا گیا۔ اور نزول قرآن کی یہ فضیلت خود اپنی جگہ اس قدر غیر معمولی اور عظیم الشان ہے کہ جس کی وجہ سے یہ رات سال بھر کی تمام راتوں میں سب سے زیادہ ارفع اور اعلیٰ ہے۔ نزول قرآن کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا تک صرف ایک رات میں کل کا کل قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ اور وہ لیلۃ القدر ہے اور آسمان دنیا سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک تک تیس سال کی مدت میں رفتہ رفتہ اور تدریجی طور نازل ہوا ہے۔ لہٰذا نزول قرآن کی اصل افضلیت اسی شب قدر کو حاصل ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل کے ایک شخص سمنون یا شمعون نامی عابد و زاہد کا تذکرہ فرما رہے تھے جس نے ایک ہزار راتیں جاگ کر عبادت میں بسر کی تھیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے حسرت و یاس کے انداز میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ؐ امت محمدیہ کا ظہور دنیا کی زندگی کے آخری حصہ میں ہوا ہے جب کہ نسبتاً عام انسانوں کی عمریں بھی کم اور مختصر ہو گئی ہیں۔ پھر کچھ حصہ بچپن اور بڑھاپے میں گزرتا ہے اور کچھ بیماری اور غفلت میں' تو ہمارے لئے یہ بات کسی طرح ممکن نہیں کہ

پچھلی امتوں کے عابدوں کی طرح ہمیں بھی طویل اور لمبی عبادتوں کا وقت مل سکے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس امت کا بڑے سے بڑا عابد و زاہد بھی دوسری امتوں کے عابدوں اور زاہدوں پر برتری اور فوقیت تو کیا حاصل کر سکے گا' برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اس امت کو جہاں اور بہت سی خصوصیتوں سے نوازا ہے وہاں یہ بھی اس امت کا طرہ امتیاز ہے کہ اللہ نے ایک ایسی رات عطا فرمائی ہے کہ جس میں جاگنا اور عبادت کرنا ہزار راتوں کے جاگنے اور عبادت کرنے کے برابر ہے اور وہ لیلتہ القدر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری امتوں کے عابدوں اور زاہدوں نے ہزار راتوں کی ریاضت اور عبادتوں سے جو مقام اور جو درجہ حاصل کیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام اور ایک امتی صرف ایک رات کی عبادت سے اس مقام اور اس درجہ کو پا سکتا ہے بلکہ اس سے بہتر پا سکتا ہے۔

ہر عبادت و طاعت میں ایک اس کی ظاہری اور محسوس شکل و صورت ہوتی ہے اور ایک اس کی غرض و غایت اور عبادت کا مقصود ہوا کرتا ہے' عمل عبادت مختصر ہو یا طویل' ہر طاعت کی غرض و غایت اور ہر عبادت کا مقصد اللہ کی نزدیکی اور اس کا قرب ہے۔

لیلتہ القدر کا ماحصل یہ نکلا کہ دوسری ملتوں کے عابد و زاہد طویل اور لمبی لمبی عبادتوں سے قرب کی جس منزل کو حاصل کرتے ہیں امت مسلمہ کو وہی منزل ایک مختصر سے لمحہ طاعت و بندگی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ پس قابل لحاظ عمل کی صورت و مقدار یا عمل کی محنت و مشقت نہیں ہے بلکہ مقصد قرب خداوندی ہے جو کسی کو طویل عمل پر میسر آتا ہے اور کسی کو چھوٹے اور مختصر عمل سے نصیب ہو جاتا ہے۔

منزل عشق بسے دور و دراز است ولے
طے شود جادہ صد سالہ با ہے گا ہے

لیلتہ القدر میں قدر کے علماء نے دو معنی لکھے ہیں ایک قدر و منزلت اور رتبہ دوسرے عظمت و شرف' اول معنی کے اعتبار سے اس رات کو لیلتہ القدر اس لئے کہا گیا کہ نوع انسانی کے ہر عابد و زاہد کا مرتبہ قرب اور اللہ کے یہاں اس کی قدر منزلت کا ظہور ہوتا ہے۔ اور پورے سال میں قرب خداوندی کا جو مرتبہ عطا کیا جاتا ہے اس کی اطلاع ملائکہ اور فرشتوں کو دی جاتی ہے' بلکہ درجات قرب کے علاوہ دوسرے اہم امور کا تصفیہ اور فیصلہ بھی اسی

شب میں کیا جاتا ہے جیسے عمر، معاشی، تندرستی اور موت و حیات۔ اسی لئے علماء کے ایک گروہ نے

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ

(اسی رات میں تمام حکیمانہ کام فیصل کئے جاتے ہیں)

والی رات کا مصداق بھی لیلۃ القدر ہی کی رات کو بتلایا ہے۔ اور یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ جو وقت اور جو ساعت زندگی کے اہم امور کے فیصلہ کی ہوتی ہے اس میں صاحب معاملہ کو ہمہ تن التفات اور مجسم انتظار بننا پڑتا ہے۔ چنانچہ وہ شب جس میں سال بھر کے اہم امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے اس میں غفلت سے سونا اور کسی دوسرے لایعنی مشاغل میں مصروف رہنا ناپسندیدہ اور برا ہے۔ اور اس شب کا استقبال اور خیر مقدم کا طریقہ صرف شب بیداری اور عبادت ہے۔

دوسرے معنی کے پیش نظر لیلۃ القدر سے مراد عظمت و بزرگی اور شرف والی رات ہے۔ اور جہاں تک اس رات کی عظمت و بزرگی کا تعلق ہے اس کے لئے نزول قرآن کا شرف کافی ہے۔ علاوہ اس کے شرف کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اس رات میں غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک حق تعالیٰ کی تجا[illegible]دوں پر نازل ہوتی رہتی ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ غروب آفتاب کے بعد ہی سے حق تعالیٰ دنیا پر نزول اجلال فرماتے ہیں۔ اور بندوں میں اپنی فیاضی کرم اور فضل کا اعلان فرماتے ہیں۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَنْزِلُ فِيهَا لِغُرُوبِ الشَّمْسِ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ أَلَا مِنْ مُسْتَرْزِقٍ فَأَرْزُقَهُ أَ[illegible] مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ أَلَا كَذَا أَلَا كَذَا حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ (ابن ماجہ بیہقی)

(ترجمہ):۔ اس رات کو اللہ تعالیٰ مغرب کے وقت سے آسمان دنیا پر اپنی رحمت کے ساتھ نزول فرماتا ہے اور یوں ارشاد فرماتا ہے، کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے تو اس کو بخش دوں کوئی رزق مانگنے والا ہو تو اس کو رزق سے مالا مال کر دوں، کوئی بیمار ہو تو اس کو صحت عطا کر دوں اسی طرح صبح صادق تک پکارتے رہتے ہیں۔

گویا کہ سال بھر کے تمام دن اور راتوں میں بندہ اپنے پروردگار کی جستجو اور تلاش میں رہتا ہے۔ اور الطاف و اکرام کا متمنی رہتا ہے۔ لیکن ایک رات ایسی بھی ہے کہ اللہ اپنے

بندوں کی طرف خود بخود متوجہ ہے۔ اور بندوں کو پکار پکار کر اپنی دین اور عطا سے نواز رہا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔

اِنَّ لِلّٰہِ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٍ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَھَا

(بلاشبہ تمہاری زندگی کے کچھ ایام میں اللہ کی خصوصی تجلیات ہیں تم ان کی طرف متوجہ رہو)

پس ایسی رات میں اور حق تعالیٰ کی خصوصی توجہ کے موقع پر غافل رہنا یا سو جانا ایک انسان کی سب سے بڑی کم نصیبی اور محرومی ہے۔

لیلتہ القدر کی عظمت و بزرگی اور اس رات کا شرف عظیم یہ بھی ہے کہ اس مبارک رات میں حق تعالیٰ نے ملائکہ اور فرشتوں کی تخلیق فرمائی جو مجسم خیر اور سر تا پا نور ہی نور ہیں۔ نیز علماء نے لکھا ہے کہ باغ بہشت اور جنت کو بھی اسی مبارک شب میں وجود عطا کیا گیا ہے۔ جو صالحین اور فرماں بردار بندوں کے لئے ابدی آرام گاہ ہے۔ اس رات کی عظمت اور فضیلت میں یہ امر بھی داخل ہے کہ اس میں حضرت آدم علیہ الصلوۃ و السلام کی تخلیق کے لئے خمیر تیار کیا گیا۔ اور مخلوقات عالم میں انسان سے زیادہ اشرف اور بزرگ ترین کوئی مخلوق نہیں پیدا کی گئی۔ نیز یہ کہ اس رات میں ملائکۃ اللہ اور ارواح کا نزول ہوتا ہے۔ گویا کہ اس مبارک رات میں عالم دنیا عالم بالا کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اور فرش زمین پر عرش کے مقدس فرشتوں کا ورود ہوتا ہے' اور ملائکہ اور فرشتوں کے اجتماع کی وجہ سے زمین کا موسم اس طرح تبدیل ہو جاتا ہے کہ سخت سے سخت دل نرم اور موم ہو جاتے ہیں۔ اور بڑے بڑے نڈر اور بے باک لوگوں کے دل خوف الٰہی اور خشیت الٰہی سے پتے کی طرح کانپنے لگتے ہیں اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کا ایک سیلاب سا امنڈ آتا ہے۔ اسی وجہ سے اس رات کی عبادت میں وہ حلاوت و کیفیت ہے جو زمانہ کی کسی ساعت میں یا کسی شب میں موجود نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے۔ کہ عثمان بن ابی العاص کا ایک غلام تھا جس نے اپنی طویل زندگی جہاز رانی اور ملاحی میں گزاری تھی۔ اس نے عثمان بن ابی العاص سے کہا کہ میں نے دریا کے بے شمار عجائبات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔ ان میں ایک چیز سب سے زیادہ عجیب اور حیرت انگیز ہے' وہ یہ کہ سمندر کا کڑوا پانی سال بھر کی راتوں میں سے ایک رات میں شیریں اور میٹھا ہو جاتا ہے۔ عثمان بن

ابی العاص نے کہا کہ آئندہ جب بھی ایسا ہو تو مجھے ضرور اطلاع کرنا۔ تاکہ میں دیکھوں کہ وہ کونسی رات ہے اور اس رات کا کیا درجہ اور مقام ہے۔ چنانچہ ان کے غلام نے رمضان کی ستائیسویں شب کو خبر دی کہ یہ وہی رات ہے جس کے متعلق میں نے سمندر کا پانی میٹھا ہو جانے کی خبر دی تھی۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس رات حق تعالیٰ اپنی مخصوص شان رحمت کے ساتھ نزول اجلال فرماتے ہیں۔ میٹھا پانی رحمت خداوندی اور انعام کا مظہر ہے اور تلخ پانی عذاب الٰہی اور غضب کا مظہر ہے۔ پس حق تعالیٰ کی مخصوص شان رحمت سے اگر سمندر کا تلخ پانی میٹھا ہو سکتا ہے تو اس مخصوص رحمت خداوندی سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے گناہ اور معصیت اور نافرمانی کے ان اثرات کو زائل فرما دیں جو اس کے غضب اور عذاب کا سبب بن سکتے ہیں اور ان کے قلوب میں نرمی اور توبہ کی وہ کیفیت پیدا فرما دیں جو اس کے فضل اور بے پایاں رحم و کرم کا باعث بنے۔

لیلۃ القدر اپنی جامعیت اور عظمت کے لحاظ سے قبولیت کی ایسی مقدس رات قرار پائی کہ جس میں تھوڑی سی عبادت بھی برسہا برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اجر و ثواب کا دارومدار کسی کار خیر اور نیک عمل کے کمی بیشی اور مقدار پر نہیں ہے' بلکہ بعض اوقات چھوٹے سے چھوٹا عمل خیر اجر و ثواب کے لحاظ سے بڑی بڑی نیکیوں سے بڑھ جاتا ہے۔ اسی لئے کسی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی معمولی اور حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ہماری اس معمولی سی نیکی میں قبولیت کی ایسی شان پیدا ہو جائے کہ بڑے بڑے اعمال اس کے سامنے ہیچ اور بے وقعت ہو جائیں۔ کسی عمل میں اجر و ثواب کا چند در چند اضافہ بالعموم جگہ اور مقام کی خصوصیت کی بنا پر ہوتا ہے یا ساعت عمل اور اوقات کی تقدیس کی بنا پر ہوتا ہے۔ جیسے نماز کہ اگر گھر میں پڑھی جائے تو اس کا اجر و ثواب اور ہے اور جو مسجد میں ادا کی جائے تو اس کا ثواب گھر کی نماز سے کہیں زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ یہی عبادت نماز اگر بیت اللہ میں ادا کی جائے تو جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک نماز پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملے گا۔ کیونکہ گھر سے کہیں زیادہ مسجد میں اللہ کی تجلیات کا ظہور ہوتا ہے اور عام مسجدوں سے کہیں زیادہ مسجد حرام اور بیت اللہ میں تجلیات خداوندی کا ظہور ہوتا ہے' بلکہ خانہ کعبہ تجلیات خداوندی کا مرکزی مقام ہے۔ اسی طرح زمانہ کی بعض ساعتیں اور اوقات بھی ہیں' جیسے لیلۃ القدر کہ خداوند قدوس کے نزول اجلال

کی بناپر اور ملائکۃ اللہ کے ورود کی وجہ سے اس ایک شب کی عبادت کا ثواب ہزار ہا راتوں کی عبادت سے کہیں زیادہ ہے۔

رہی یہ بات کہ عظمت و شرف کی یہ مقدس رات رمضان کی کون سی مخصوص اور معین رات ہے؟ سو روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رات کا صحیح مصداق اور اس کی تعیین وحی کے ذریعہ بتلائی گئی تھی۔ اور اس قسم کی خبر آپ کی پیغمبرانہ عظمت و بزرگی کے شایان شان بھی تھی۔ لیکن بعد میں امت کی حکیمانہ مصلحتوں کی خاطر آپ کے ذہن سے فراموش کرادی گئی اور اس طرح لیلۃ القدر کی تعیین میں ابہام اور اخفا کی شان پیدا ہو گئی۔

اس نظام کائنات میں بعض مخصوص چیزیں انسانوں کے علم اور ان کی دانست سے مخفی رکھی گئی ہیں۔ جن میں خود بندوں کی بڑی بڑی مصلحتیں پوشیدہ ہیں جیسے حدیث میں آتا ہے کہ جمعہ کی ساعتوں میں سے ایک ساعت دعا کی قبولیت اور اجابت کی ساعت ہے لیکن اس مخصوص ساعت کو انسانوں کے علم سے مخفی اور پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ یا پانچ نمازوں میں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی درمیانی نماز کی بڑی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ لیکن اس کی تعیین پوشیدہ اور مبہم ہے۔ یا اسی طرح اللہ کے ناموں میں سے ایک نام "اسم اعظم" ہے' جس کے بڑے عجیب عجیب خواص ہیں مگر اس کی تعیین کو مبہم اور مخفی رکھا گیا ہے اور جس طرح اللہ کا ولی اور اللہ کا مقرب بندہ یا وقت وفات اور ساعت قیامت ان سب چیزوں کو شریعت نے انسانی علم کے اعتبار سے غیر معین اور مخفی رکھا ہے اور مصلحت یہ ہے کہ اگر جمعہ کی ساعتوں میں سے قبولیت کی ساعت حاصل کرنا ہے تو اس کے حصول کے آسان طریقہ یہ ہے کہ جمعہ کی تمام ساعتیں عبادت و بندگی میں گزاری جائیں یا "صلوٰۃ وسطیٰ" کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے اس احتمال پر کہ ہر نماز صلوٰۃ وسطیٰ کا مصداق بن سکتی ہے تمام نمازوں کی پابندی اور ان کا اہتمام کرنا چاہئے۔ ایسے ہی اللہ کے ناموں میں اسم اعظم کو تلاش کرنے کے لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ تمام اسماء الٰہیہ کو پڑھے اور ان کا ورد کرے۔ علیٰ ہذا اللہ کے مقرب اور ولی کا حق ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تمام انسانوں کو اپنے سے بہتر' نیک اور اللہ کا ولی سمجھے۔

پس لیلۃ القدر کے اخفاء میں بھی یہی مصلحت کارفرما ہے کہ ایک شب کی فضیلت حاصل کرنے کی خاطر رمضان کے آخری عشرہ کی تمام راتوں کو جاگ کر گزارنا چاہئے۔ کسی

عارف نے مخفی اور مبہم صورت میں ہمارا کیا عمل ہونا چاہئے اس کے متعلق بہت اچھا مشورہ دیا ہے۔

چو ہر گوشہ تیر نیاز افگنی ۔ ناگاہ بینی کہ صیدے کنی

اگر تمہارا مرغوب شکار کسی مخصوص اور معین جگہ پر نہیں ہے اور تمہیں اس کا حاصل کرنا ضروری ہے تو اس کی ایک ہی صورت ہے کہ شوق و نیاز کے تیر ہر سمت میں چلاؤ' تاکہ آخر کار وہ مرغوب شکار تمہیں مل سکے۔

اخفا اور ابہام کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ ایک شب کی خاطر پورا عشرہ شب بیداری' عبادت اور بندگی میں گذرتا ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ لیلۃ القدر ہر سال بدلتی رہتی ہے اور آخری عشرہ کی مختلف طاق راتوں میں دائر رہتی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "لیلۃ القدر" کے لفظ میں نو حروف ہیں اور یہ لفظ سورہ قدر میں تین مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝

بیشک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔

پس مذکورہ بالا تین الفاظ کو ان کے حروف کی تعداد کے مطابق اگر نو سے ضرب دیا جائے تو ستائیس کا عدد نکلتا ہے۔ لہذا لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے اور یہی قول مشہور بھی ہے اور اکابرین سلف کا تعامل بھی اسی پر ہے۔

جس رات کی عظمت و تقدیس کی یہ شان ہے اور جس میں ایک لمحہ کی عبادت بھی بندہ کو اللہ سے قریب کر دیتی ہے۔ اس بارے میں غور کرنا پڑے گا اس میں کون سی عبادت اور کونسا عمل خیر اختیار کرنا چاہئے' کیونکہ صرف جاگنا یا جاگ کر لایعنی اور بیہودہ مشاغل میں لگ جانا اس رات کی سب سے بڑی ناقدری اور اپنی محرومی ہے۔ اس رات کی عبادت اور بندگی کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ اگر مجھے یہ رات مل جائے تو میں کونسی عبادت اور کونسا عمل اختیار کروں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قولی۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي

(اے اللہ تو بیشک خطاؤں سے درگزر کرنے والا ہے اور معاف کر کے تو بہت خوش ہوتا ہے۔
پس میرے گناہوں کو بھی معاف کر دے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ اس شب میں کوئی مخصوص اور معین قسم کی عبادت نہیں ہے بلکہ ہر قسم کی عبادت اختیار کی جا سکتی ہے خواہ وہ نوافل کی قسم سے ہو یا تلاوت قرآن' یادالٰہی میں مصروف ہو یا انسانوں کی ہمدردی اور غمخواری میں البتہ حضرت عائشہ صدیقہ کے سوال کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ ارشاد فرمائے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ توبہ واستغفار اور دعا اس رات کی خاص عبادتیں ہیں۔ کیونکہ ارشاد نبوی ؐ سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور بندوں کو پکار پکار کر مانگنے اور دعا کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔

تاکہ حق تعالیٰ ایک طرف خطاؤں کو بخش دیں اور دوسری طرف دعاؤں کو قبول فرمالیں۔ ویسے بھی آقا سے قریب ہونے کا موقع دعا کے لئے سب سے مبارک موقع ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ میرے بارے میں پوچھتے ہیں کہ آیا وہ قریب ہے یا دور' تو آپ ان کو بتلا دیجئے کہ میں صرف قریب ہی نہیں ہوں بلکہ۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ

(تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں)' اور اظہار قرب کے بعد حق تعالیٰ نے بندوں کو حکم دیا کہ تم اپنی اپنی عرضیاں اور درخواستیں لے کر میرے پاس آؤ' میں انہیں قبول کروں گا۔

اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ

(منظور کر لیتا ہوں عرضی درخواست کرنے والے کی بلکہ وہ میرے حضور میں درخواست دے سوان کو چاہئے کہ میرے احکام کو تعمیل کیا کریں۔)

پس قرب کا سب سے بڑا تقاضا اللہ سے مانگنا اور دعا کرنا ہے۔ مگر درخواست دینا یا دعا مانگنا اس وقت تک مفید نہیں ہے جب تک کہ معصیت کے سیاہ داغ اور گناہ کے دھبے دور نہ ہو جائیں۔ جس کا طریقہ توبہ اور استغفار ہے۔ کیونکہ ہر گناہ اور معصیت جس سے دنیا کا نہ کوئی انسان خالی ہے اور نہ ہو سکتا ہے اللہ اور بندے کے درمیان حجاب اور پردہ بن جاتا

ہے۔ اور جب تک کوئی بندہ اپنے اور خدا کے درمیان حائل شدہ دیوار کو دور نہیں کرتا' اس وقت تک نہ کسی عبادت و طاعت میں نور پیدا ہوتا ہے اور نہ عبادت کے ذریعہ سے قرب میسر آتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ہمارے کسی خورد اور چھوٹے سے ہماری شان میں گستاخی ہو گئی یا کسی نوکر اور ملازم نے آقا کی نافرمانی کی تو اظہار معذرت کے بغیر وہ خورد اور ملازم جتنی خدمت اور کام کرے گا' اس سے ملازم و آقا یا خورد بزرگ کے دلوں میں شگفتگی اور پذیرائی پیدا نہیں ہو سکے گی' کیونکہ نافرمانی اور گستاخی کا حجاب سد راہ بنا ہوا ہے اور اس حقیقت کی طرف وہ حدیث بھی اشارہ کرتی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ

خاک آلودہ ہو ناک اس کی' خاک آلودہ ہو ناک اس کی' بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس خفگی اور محرومی کا اظہار کس کے لئے ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ جس جوان بیٹے نے اپنے بوڑھے اور معذور ماں باپ کو پایا اور محتاج ہونے کے باوجود اس بیٹے نے اپنے ماں باپ کی خدمت نہیں کی تو وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔ اور اللہ کی رحمت سے محروم رہے گا۔

ویسے بھی توبہ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی برتن کو قلعی کرنے کے لئے پہلے مانجھنا اور اس کے میل کچیل کو زائل کرنا اور دعا کی مثال ایسی ہے جیسے اس پر قلعی اور پالش کرنا جس طرح برتن پر پالش وغیرہ کی رونق اور آب و تاب اسی وقت ظاہر ہو سکتی ہے کہ پہلے اس کے میل اور زنگ وغیرہ کو دور کر دیا جائے۔ اسی طرح دعا کے اثرات اور عبادت کا نور بھی اسی وقت ظاہر ہو سکتا ہے کہ پہلے توبہ کے ذریعے معصیت اور گناہ کے میل کچیل اور زنگ کو دور کر لیا جائے۔

توبہ و استغفار

لیلۃ القدر میں ہر قسم کی عبادت جائز اور روا ہونے کے باوجود اس کی مخصوص اور اہم عبادتیں دو ہیں۔ ایک توبہ و استغفار اور دوسری دعا۔ اور ان دونوں عبادتوں میں توبہ دعا سے مقدم ہے۔ جیسا کہ پچھلی سطروں میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔

باقی لفظ توبہ عام و خاص کی زبانوں پر جس قدر کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ اسی قدر لوگ اس کے مفہوم اور اس کی حقیقت سے نا آشنا اور دور ہیں۔ کیونکہ عام طور پر توبہ سے مراد زبان سے لفظ توبہ کا اظہار سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ توبہ کا تعلق زبان سے زیادہ قلب اور باطن سے ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات میں ارشاد فرمایا ہے کہ زبان سے توبہ کرنا اور دل کا اس کے ساتھ شامل نہ ہونا یہ توبہ نہیں بلکہ توبہ و استغفار کا مضحکہ اور اس کے ساتھ استہزا ہے اور اپنی جگہ ایسی توبہ خود ایک سنگین جرم ہے جس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ اسی موقف کے لئے کسی عارف نے کہا ہے۔

سبحہ برکف توبہ برلب دل پراز ذوق گناہ
معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توبہ کی حقیقت اس طرح ارشاد فرمائی ہے کہ:

اَلتَّوبَةُ نَدَمٌ وَهُوَ تَحَرُّكُ الْحَيَاءِ عَلَى الْخَطَاءِ وَتَلَوُّ الْقَلْبِ عَلَى الْإِثْمِ

یعنی توبہ کی روح اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دل اور ہمارے باطن خجالت اور شرمندگی سے اس طرح ڈوب جائیں کہ معصیت و خطا پر دلوں میں ایک قسم کی بے کلی اور بے چینی پیدا ہو جائے۔ اور ایسی کھرچن سی لگ جائے کہ تلافی مافات میں کوشاں اور سرگرداں ہو جائیں۔

ظاہر کہ کہ اس قسم کی کیفیت کا تعلق زبان سے نہیں دل سے ہے اور جب تک دل میں خجالت و شرمندگی نہ پیدا ہو اس وقت تک توبہ کا مفہوم ہی حاصل نہیں ہوتا۔

متکلمین اسلام بالخصوص امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تین چیزوں کے مجموعہ کا نام توبہ ہے۔ ایک ترک معصیت' دوسرے صدور فعل پر ندامت و شرمندگی' اور تیسرے مستقبل میں اس گناہ سے باز رہنے کا آہنی عزم۔ ان تینوں اجزاء میں اہم جز ندامت و شرمندگی اور دل کی بے کلی ہے۔ اسی کیفیت پر اللہ کی مغفرت اور شان رحمت متوجہ ہو جاتی ہے۔ اور جرم کے داغہائے سیاہ کو مٹا کر صاف کر دیتی ہے۔ اور توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے نومولود اور معصوم بچہ' جو ابھی ابھی شکم مادر سے پیدا ہوا ہو۔

حدیث میں آتا ہے

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ

(گناہ سے توبہ کرنے والا مثل گناہ نہ کرنے والے کے ہو جاتا ہے۔)

قرآن کریم میں ایک سورۃ توبہ کے نام سے نازل ہوئی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع جیسے جلیل القدر صحابہ کی توبہ اور حق تعالیٰ کی طرف سے قبول توبہ کا واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ تینوں جلیل القدر صحابی بڑے مخلص اور جاں نثار مسلمان ہیں۔ لیکن غزوہ تبوک میں امروز و فردا کے التوا کی بنا پر شرکت نہ کر سکے۔ حق تعالیٰ کے حکم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو ان تینوں سے مقاطعہ اور سلام و کلام بند کرنے کا حکم دے دیا۔ اور آپ نے خود بھی ان سے کنارہ کشی اور علیحدگی اختیار فرمائی۔ تینوں جاں نثار عاشقوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم تو دیکھی تھی لیکن چشم غضب سے واقف نہ تھے ؎

ہم نے الفت کی نگاہیں دیکھیں جانیں کیا چشم غضبناک کو ہم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجسم رحمت ہونے کے ساتھ ساتھ معلم اخلاق اور مربی بھی تھے۔ اور تعلیم و تربیت میں سرزنش اور تنبیہ بھی ایسی لازمی اور ضروری ہے جیسے اولاد یا شاگرد کے ساتھ شفقت و محبت۔ کسی عارف نے اس موقع پر خوب کہا ہے۔

وہی نگاہ جو رکھتی ہے مست رندوں کو
غضب یہ ہے کہ کبھی محتسب بھی ہوتی ہے

یہ تینوں جاں نثار صحابہ غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کی کوتاہی میں ندامت میں غرق تھے اور ہر وقت ان کا دل بھی روتا تھا اور آنکھیں بھی۔ چنانچہ اللہ کی سنت کے عین مطابق اس کی رحمت و مغفرت جوش میں آگئی اور پورے پچاس دن بعد وہ آیت نازل ہوئی جس میں ان تینوں کی توبہ قبول کرنے کا اعلان کیا گیا۔

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب یہ نوبت پہنچی کہ زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آگئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا کی گرفت سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جاوے، پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی رجوع رہا کریں بیشک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والا

مندرجہ بالا واقعہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قبول توبہ کا دارومدار زبان اور الفاظ پر نہیں ہے، بلکہ دل کی بے چینی، بے کلی اور شرمندگی پر ہے پھر معصیت و گناہ کا بڑے سے بڑے انبار ہی کیوں نہ ہو چشم زدن میں صاف ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر کسی شخص نے اتنے گناہ کئے کہ روئے زمین اس کے گناہوں سے بھر گئی اور پھر وہ اللہ کی بارگاہ میں ندامت و شرمندگی کا اظہار کرے یعنی توبہ کرے تو حق تعالیٰ اتنی بڑی مقدار میں مغفرت لے کر آتے ہیں کہ اس سے زمین و آسمان دونوں بھر جاتے ہیں اور کسی گناہ گار کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ میرے گناہ بہت ہیں یا کئی مرتبہ توبہ کر کے توڑ چکا ہوں تو اب اللہ کی بارگاہ میں کیسے حاضر ہوں، محض شیطانی وسوسہ اور رکاوٹ ہے۔ جو بندہ کو خدا سے قریب نہیں ہونے دیتی اس پر کبھی التفات نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ نبی اور پیغمبر کے سوا کوئی شخص بھی خطاؤں سے خالی نہیں ہے۔ انسان بار بار توبہ کر کے گناہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مرتبہ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں اور ایسے ایسے باغی مجرموں کو حق تعالیٰ بخش دیتے ہیں جن کے سنگین جرائم کو دیکھ کر مغفرت اور بخشش کا خیال بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ بقول داغ دہلوی مرحوم ؎

داغ کو بھی جو تو نے بخش دیا
پھر جہنم کو کیا دیا تو نے

لیلۃ القدر کی اہم عبادتوں میں سے توبہ کے بعد دوسری عبادت دعا اور اللہ سے مانگنا ہے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کو عبادت کی روح اور مغز فرمایا ہے۔ ارشاد نبوی ؐ کے الفاظ یہ ہیں۔

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ

(دعا عبادت کا مغز ہے)

قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے ان لوگوں پر شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے جو اپنے آپ کو دعا سے بالاتر اور برتر سمجھتے ہیں یا دعا سے گریز کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۝

(تحقیق وہ لوگ کہ تکبر کرتے ہیں عبادت میری سے شتاب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر)

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں عبادت سے مراد دعا اور سوال کرنا ہے ارشاد خداوندی کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اللہ سے ۔ مانگنے اور دعا کرنے سے کتراتے ہیں یا اپنے آپ کو بلند و بالا سمجھتے ہیں وہ عنقریب نار جہنم میں داخل ہوں گے۔

عبادت دعا میں دو پہلو خاص طور پر قابل التفات ہیں۔ ایک اپنی جگہ دعا کا فریضہ ہے جو ہر بندہ پر اظہار بندگی کے لئے عائد کیا گیا ہے قطع نظر اس سے کہ دعا کا نتیجہ اور انجام کیا ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرے اجابت دعا کا حاصل اور اس کا نتیجہ۔ دعا کرنا اور مانگنا بندہ کا کام ہے۔ جس کا مقصد اپنی بے چارگی اور بندگی کا اظہار ہے۔ اور قبول کرنا نہ کرنا یہ اللہ کا کام ہے۔ اگر کسی شخص نے دعا مانگی اور قبول نہ ہوئی تو فریضہ دعا کی ادائیگی کی سعادت اس کو بہر حال حاصل ہو گئی اور اگر کسی نے سرے سے دعا ہی نہ مانگی تو دو سعادتوں سے محروم ہو گا۔ ایک فریضہ دعا کی ادائیگی اور دوسرے اجابت و قبولیت۔

حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا ارشاد ہے۔

محروم گشتن از دعا سخت تر از حرمان اجابت

پس بندہ کا فریضہ قبولیت و عدم قبولیت کے خیال سے بے نیاز ہو کر صرف مانگنا اور دعا کرنا ہے' اور اس کی ضمانت اللہ نے خود اپنے کلام میں دی ہے کہ وہ بندہ کی دعا کو لا محالہ اور یقینی طور پر قبول کر لیتا ہے' ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے۔

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

یعنی میں مانگنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے مانگے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ

یعنی تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

پس ایک مسلمان کو قرآن کریم کی ان آیتوں کی روشنی میں بحیثیت مسلمان کے یہ عقیدہ رکھنا لازمی اور ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا کو ضرور قبول کرتا ہے۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ کسی کی دعا کو قبول نہ کرے۔ جب کہ اس نے خود ہی بندوں کو مانگنے اور سوال کرنے کی دعوت دی ہے۔ اگر کوئی با اختیار حاکم کسی شخص کو عرضی دینے کی تحریک از خود کرتا ہے تو

پھر عرضی کو رد کر دینا شرافت و مروت کے خلاف ہے تو حق تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہیں اور اپنے بندوں کا پکار پکار کر عرضی پیش کرنے اور سوال کرنے کی دعوت دے رہے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ عرضی پیش کرنے پر وہ اسے رد کر دیں۔ پس ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا کو ضرور قبول کرتا ہے۔ البتہ خداوند قدوس کی بارگاہ میں عرضی پیش کرنے کی کچھ شرائط اور آداب ہیں۔ جن پر قبولیت اور عدم قبولیت کا دارومدار ہے۔ سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ عرضی ایسے مقصد اور مدعا کے لئے پیش کی جائے جو اللہ اور اس کے رسول ؐ کی نظروں میں جائز اور مباح ہو۔ کسی ناجائز اور حرام مدعا کا سوال گستاخی اور شوخ چشمی کے مترادف ہے۔ جس پر قبولیت کی امید سے زیادہ عذاب الٰہی کا اندیشہ اور اس کے وبال کا ڈر ہونا چاہئے۔ اسی سلسلہ کی دوسری شرط یہ ہے کہ جو چیز اللہ سے مانگی جا رہی ہے اس کے حاصل ہونے کے اسباب اور اس کی بنیادی تدابیر پہلے پہلے اختیار کرنی چاہئے۔ کیوں کہ عالم اسباب کے حکیمانہ نظام کے خلاف مانگنا خود اللہ کے نظام کی توہین ہے۔ الا یہ کہ تصدیق نبوت کے لئے عالم اسباب سے بلند ہو کر خداوند تعالیٰ کی قدرت کا اظہار مقصود ہو جس کو معجزہ کہتے ہیں اور جو نبی کے لئے مخصوص ہے۔ دعا کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ دعا مانگنے والا ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اور لگ لپٹ کر دعا مانگے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَجِیْبُ الدُّعَاءَ عَنْ قَلْبٍ لَاہٍ

کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی دعا کو قبول نہیں فرماتے جس کی زبان پر دعا کے الفاظ ہوں اور دل اس کا اللہ سے غافل ہو۔

احکام و مسائل
رمضان المبارک و صدقۃ الفطر

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا۔ اس توقع پر کہ تم روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ متقی بن جاؤ۔

روزہ کے احکام

روزہ ہر عاقل اور بالغ پر فرض ہے' پاگل اور نابالغ بچے اس عبادت کے مکلف نہیں ہیں۔ مگر قریب البلوغ بچوں کو نماز کی طرح روزہ کی عادت بھی ڈلوانی ضروری ہے۔ صوم کے اصل معنی رکنے کے ہیں شریعت کی اصطلاح میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک اپنے آپ کو بہ نیت عبادت کھانے پینے اور صحبت سے بچائے رکھنا روزہ کہلاتا ہے۔ حیض ونفاس کے ایام میں عورتوں کے لئے روزہ کی ممانعت ہے' بعد میں ان ایام کی قضا ضروری ہے۔ روزہ کے لئے نیت یعنی دل کے ارادہ کا ہونا شرط ہے' بغیر نیت کے روزہ نہیں ہوتا' زبان سے نیت کے الفاظ کہہ لینا بہتر ہے۔ نیت کے الفاظ یہ ہیں۔ نَوَيْتُ اَنْ اَصُوْمَ غَدًا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

روزہ سے معذوری کے حالات

مسافر شرعی' وہ مریض جس کے روزہ رکھنے سے مرض بڑھ جانے' صحت ہونے میں دیر لگ جانے یا ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو۔ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں جن کو خود اپنا یا اپنے بچہ کا اندیشہ ہو' ان سب کو جائز ہے کہ رمضان میں روزوں کو ملتوی کردیں اور عذر دور ہونے پر بعد میں ان کی قضا کریں۔ مگر جسمانی اور روحانی نقصان کا اندازہ قائم کرنے میں خود اپنی رائے معتبر نہیں ہے بلکہ کسی ماہر طبیب و ڈاکٹر کی شہادت ضروری ہے' جو مسلمان ہو اور دیندار بھی۔ اگر معالج غیر مسلم ہے یا روزہ خور مسلمان ہے اور وہ روزہ رکھنے سے منع کرتا ہے تب بھی کسی مسلم اور دیندار طبیب سے بطور مشورہ تصدیق کرانا ضروری ہے۔ وہ بوڑھا جو بڑھاپے کی ایسی حد میں پہنچ گیا ہے کہ اب روزہ کی طاقت نہیں ہے اور نہ آئندہ طاقت آنے کی امید ہے تو اس کو اپنے روزہ کا فدیہ دینا چاہئے۔ یعنی ہر روزہ کے عوض دونوں وقت کا کھانا کسی مسکین کو کھلا دینا یا ایک شخص کے فطرہ کے برابر غلہ یا نقد دے دینا۔

جن باتوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

روزہ کی حالت میں اگر قصداً ایسی چیز کھائی یا پی لی جو بطور غذا یا دوا کے استعمال ہوتی ہے۔ یا صحبت کا ارتکاب کیا تو ایسی حالت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کی قضا و کفارہ دونوں ضروری ہیں' روزہ کا کفارہ لگاتار ساٹھ روزے رکھنا ہے' اگر درمیان میں کوئی روزہ ناغہ ہو گیا

تواز سرنو رکھنا۔ ہاں ایام حیض میں ناغہ تواتر کے خلاف نہیں لیکن نفاس سے وہ تواتر باقی نہیں رہتا۔ اگر روزہ بھی نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا نقد ہر مسکین کو بقدر صدقۂ فطر کے دے دے۔ کھانا خواہ ایک دم کھلائے یا مختلف اوقات میں اور اگر کوئی ایسی چیز کھائی جس کا استعمال بطور غذا یا دوا کے نہیں ہے تو روزہ کی صرف قضا ضروری ہے کفارہ نہیں' اسی طرح کان یا ناک میں پتلی دوا ڈالنا' انیما لینا یا کسی اور ذریعہ سے اجابت کے مقام سے دوا پیٹ میں پہنچانا' قصداً منہ بھر کر قے کرنا اور سگریٹ و سگار اور حقہ پینا وغیرہ نیز وہ چیزیں جن سے دھواں منہ میں لیا جائے استعمال کرنا حتی کہ دھونی لینا بھی کلی کرتے وقت یا منہ دھوتے وقت بلا قصد حلق میں پانی چلا جانا ان سب صورتوں میں روزہ فاسد ہو گیا' صرف قضا لازم ہو گی' کفارہ واجب نہیں' لیکن افطار کے وقت تک بقیہ وقت بھی روزہ کی طرح گذارنا چاہئے۔

جن باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا

ٹوتھ پیسٹ' ٹوتھ پاؤڈر یا کوئی اور منجن استعمال کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر مکروہ ہے۔ لہٰذا پرہیز کرنا ضروری ہے۔ ہاں مسواک کرنا تیل لگانا' سرمہ لگانا یا مہندی لگانا' عطر سونگھنا' بھولے سے کھا پی لینا بلا قصد قے ہو جانا' بلا قصد گرد و غبار' دھواں وغیرہ حلق میں چلا جانا انجکشن لگوانا نہ مفسد صوم ہیں نہ مکروہ' ہاں طاقت کا انجکشن جو اس لئے لگوایا جائے کہ روزہ معلوم نہ ہو خلاف اولیٰ ہے' جس کو نفس پر قدرت ہو اس کے لئے بیوی کے پاس اٹھنے بیٹھنے میں حرج نہیں جس کو اپنے نفس پر قابو نہ رہنے وغیرہ کا خوف ہو اس کو اجازت نہیں' اگر تھوک کے ساتھ خون پیٹ میں جاتا محسوس ہو تو اگر خون تھوک پر غالب ہے تو روزہ جاتا رہا' اس کی قضا ادا کرے۔ اگر خون معمولی ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوا۔

افطار و سحر کے آداب

روزہ رکھنے کے لئے سحری کھانا مسنون اور ثواب ہے' سحری آخری وقت کھانا اور اول وقت افطار افضل ہے' کھجور سے روزہ افطار کرنا سنت ہے یا کم از کم شیریں چیز سے۔ افطار کی دعا یہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ ۔ اور روزہ کھولنے کے بعد یہ دعا پڑھیں:۔ ذَهَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ